شعر کی متنوع جہات اور ترجمہ کی امکانی حدود

Diverse dimensions of Couplet and potential extents of Translation

Dr. Qandeel Badar*

ABSTRACT:

Couplet is the basic unit of Eastern poetics, which comes into existence by the coordination of several elements at the same time. In the establishment of the semantic system of poetry, none of these elements can be ignored. Some of these elements of poetry create the external form and some give a complete sense of their presence in the internal one. By amalgamation of these formation elements of the external and internal aspects, a third and hidden side of the couplet also comes into existence, which causes addition of an X factor to the semantic system.

Translation, by the way, is a very fruitful activity that allows the conversion of the great texts of one language to another language and it is the translations that have made a great contribution to the service of prose literature and fiction. But in this paper it has been highlighted that to what extent the translation of the poetry is possible. Couplet of two lines consists of several dimensions that the translator is responsible for taking care of. It is not that a poetic translation is absolutely impossible, but it definitely requires hard-work and certain poetic taste from the translator. In this article, hints are provided for the preparation of this hard work..

Keywords: Couplet, and potential extents, Translation, Eastern poetics.

شعری ترجمہ کے امکانات پر غور کرنے سے پہلے شعر کی ساخت، ہیئت اور بناوٹ پر ہلکا سا تفکر کرتے ہیں۔ شاعری دنیا کی ہر زبان میں بلند مرتبت فن کی حیثیت رکھتی ہے اسے ہمیشہ نثری اصناف کے مقابل ادب کے ارفع رخ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مشرقی زبانوں میں تو اس کی قدر و منزلت اور بھی زیادہ رہی ہے جس کی وجہ اس کے فنی اسرار و رموز ہیں۔ شاعری ایک پیچیدہ اور کسی حد تک پر اسرار عمل ہے۔ اس کی ساخت اور بنت میں کئی عناصر ایسے لطیف طریق پر شامل کار رہتے ہیں کہ اپنی علاحدہ شناخت کا احساس دلائے بغیر ایک کُل کی تشکیل کرتے ہیں۔ کئی مختلف النوع عناصر کے باہمی ملاپ سے تیار کردہ اس کُل میں شعر کی تمام تر جمالیاتی سرشاری اور تخلیقی پر اسراریت پوشیدہ ہوتی ہے۔ شاعری بہ

* Chairperson, Urdu Department, S.B.K Woman University Balochistan Quetta.

طور خاص غزل اپنی ساخت کی بنیادی اکائی یعنی ''شعر'' کی سطح پر ہی اصناف سخن میں امتیازی اور انفرادی حیثیت کی حامل رہی ہے۔ شعر مشرقی شعریات کی بنیاد ہے جو بہ یک وقت کئی عناصر کے باہمی تال میل سے وجود میں آتا ہے۔ شعر کے معنوی نظام کے قیام میں ان میں سے کسی بھی عنصر کو بالائے طاق نہیں رکھا جا سکتا۔ ان میں سے کچھ عناصر شعر کی ظاہری شکل کی تشکیل کرتے ہیں اور کچھ باطن میں اپنی موجودگی کا مکمل احساس دلاتے ہیں۔ شعر کے انھی ظاہری اور باطنی پہلوؤں کے تشکیلی عناصر کے ملاپ سے شعر کا ایک تیسرا اور نسبتاً پوشیدہ رخ بھی وجود میں آجاتا ہے جو معنوی نظام میں ایک ایکس فیکٹر کے اضافے کا سبب بنتا ہے۔ اس تناظر کی روشنی میں سب سے پہلے یہ طے کرنا ضروری امر ہے کہ یہ شعر دراصل ہے کیا؟ اس کی مختصراً تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ ''کئی اجزا کے باہم ملاپ سے تشکیل کردہ اکائی'' کا نام شعر ہے۔ لیکن ان اجزا اور ان کے باہمی تال میل کے تخلیقی عمل کو سمجھنا ایک دشوار گزار عمل ہے اور گہری شعری تربیت کا متقاضی ہے۔ شعر کی ساختی اکائی کے تشکیلی طریقہ کار کو اس طور سے سمجھا جا سکتا ہے:

شعر	=	وجدانی (غیر مادی) پہلو خیال / موضوع / فلسفہ / کیفیت (کیا بیان کیا گیا)	+	ظاہری (مادی) پہلو ساخت / ہیئت / تکنیک / اسلوب (کیسے بیان کیا گیا)	+	جمالیاتی (مخفی) پہلو پراسراریت / ماورائیت / طلسم (کیا بیان نہیں کیا گیا)

اس میزان سے یہ تو بہ خوبی واضح ہے کہ شعر بہ یک وقت کئی پہلوؤں، کئی رنگوں اور کئی ذائقوں کا منبع ہوتا ہے لیکن بات یہیں مکمل نہیں ہوتی۔ شعر کئی عناصر ترکیبی کا مرقع ہے جو ایک دوسرے میں جذب ہو کر ایک مکمل تخلیقی وحدت یا اکائی کو جنم دیتے ہیں۔ شعر کی خوب صورتی کا اصل سبب یہی تخلیقی اکائی یا وحدت ہے۔ شعر کے وجدانی پہلو میں تخیل اور اس کے تمام مبہم ذرائع جیسے جذبہ، تعقل، مشاہدہ، تجربہ وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ تخیل بنا بنایا نازل نہیں ہوتا بل کہ اس کی تعمیر و تشکیل کے لیے بھی تخلیق کار کو کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس میں تخلیق کار کی زندگی، شخصیت، تجربے مشاہدے اور مطالعے کو خاص دخل حاصل ہے۔ جب کہ شعر کا ظاہری پہلو تکنیک، ہیئت اور آہنگ کو محیط ہے جو بغیر اکتسابی عمل کے ممکن نہیں۔ وجدانی اور ظاہری پہلوؤں کے باہمی ربط سے ہی شعر کی غرض و غایت اور مقصدیت کا کامل اظہار ممکن ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہ تمام عناصر بھی کئی دیگر عناصر کے ساتھ اشتراکِ عمل سے متشکل ہوتے ہیں۔ ظاہری پہلو میں زبان کا شعور، الفاظ کا چناؤ، قواعد کی پابندی، ترتیب و تہذیب اور دیگر آرائشی عناصر کا فن کارانہ استعمال شامل ہے جب کہ وجدانی پہلو تخلیق کار کے ذہن، مزاج، علم اور اس کے طبعی رجحان کو محیط ہے۔ شعر ان تمام پہلوؤں کے تال میل سے ہی قدر و قیمت کا حامل ٹھہرتا ہے۔ ظاہری شکل خیال اور مواد سے بے تعلق ہو کر تصنع اور بناوٹ کی شکل اختیار کر لیتی ہے جب تک اس میں جذبے کا خلوص اور تخیل کی رعنائی شامل نہیں ہوتی یہ اعلیٰ تخلیق کا درجہ حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

شعر کے عناصر ترکیبی کو عام طور پر کئی پہلوؤں اور جہتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ان ہی پہلوؤں کے لطیف امتزاج سے شعر جمالیاتی وصف کا مرقع بنتا ہے۔ جن پر مزید غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔اسی ضرورت کے پیش نظر شعر کو چند بنیادی جہات میں منقسم کرتے ہیں تاکہ اس کُل کی تفہیم کے دیگر اہم در بھی وا ہوسکیں جو شعر کے وجدانی پہلو کی تشکیل میں خاموشی کے ساتھ شامل رہتے ہیں لیکن معنی کی تفہیم میں ان کی حیثیت جزو لاینفک کی سی ہے۔

الف : لسانی جہت

ب : تہذیبی جہت

ج : صنفی جہت

د : ترکیبی جہت

ہ : اسلوبی جہت

شعر میں ان پہلوؤں کی باہم آمیزش 'تکنیک' میں پوشیدہ ہے۔تکنیک ایک پیچیدہ اور مرکب ادبی اصطلاح ہے اس کے خارجی اور باطنی پہلوؤں کا مکمل معروضی تجزیہ ممکن نہیں ادبی تخلیقات میں تکنیک شعر کی تمام جہات کو آپس میں گھلانے ملانے پر قادر خاصیت ہے ۔شعر کی لسانی جہت زبان کا شعری استعمال،زبان کے اسرار و رموز سے آشنائی نیز لفظیات کے چناؤ کو محیط ہے۔شعر کی تہذیبی جہت میں شاعر کا خطہ ، زمین،وہاں کی تاریخ، مذہب، ثقافت، اساطیر اور متھ تک کے تمام پہلو شامل کار ہوتے ہیں۔شعر کی صنفی جہت بھی ہماری شاعری میں زیر غور رہی ہے ۔ہمارے ہاں شعر غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور رباعی ہر صنف میں کسی نہ کسی طور موجود رہا ہے۔اس لیے شعر کی تخلیقی اور جمالیاتی کیف کو مکمل طور پر گرفت میں لینے کے لیے اصناف کے تاریخی پس منظر اور بنت و ہیئت سے آگاہی ہونا ضروری ہے۔شعر کی اسلوبی جہت شاعر کے تجربات،مشاہدات،احساسات، جذبات، انداز بیان،نفسیات،اس کے عہد، فکر اور ان سب کے ملاپ سے متشکل ہونے والے اس کے اسلوب، سٹائل، طرز یارنگ کو محیط ہوتا ہے۔جب کہ شعر کی ترکیبی جہت ردیف، قافیہ،بحر،وزن اور ہیئت کا چناؤ، صنائع و بدائع کا فن کارانہ استعمال اور دیگر محسنات شعری جیسے تراکیب، استعارات، تشبیہات، تلمیحات، علامات، اشارات وکنایات، روزمرہ محاورات، ضرب الامثال، مجاز مرسل، استفہام، طنز و مزاح وغیرہم کے ادراک پر مشتمل ہوتا ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں شعری سرمایے کی جانچ پرکھ کے لیے ایک خاص مخصوص نظام الاوزان پایا جاتا ہے ۔یہ نظام الاوزان ان اصولوں اور قاعدوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن کی مدد سے شعر کی موزونیت یاناموزونیت کا سراغ لگایا جاتا ہے۔انگریزی میں نظام الاوزان "Prosody"، سنسکرت میں ''چھند شاستر''، ہندی میں پنگل اور عربی میں عروض کے نام سے موسوم ہے۔فارسی، ترکی، اردو اور ہمارے خطے کی چند دوسری زبانوں نے بھی عربی علم الاوزان کو اپنایا اور اپنی ضرورت کے تحت اس میں اضافے اور تبدیلیاں کیں جس سے عروض کے دائرے میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوئی۔

اس کے علاوہ شعر کے دو مصرعے ایک طرف مرد و عورت کی دوہری شخصیت کی تجسیم کرتے ہیں تو دوسری طرف موت اور زندگی کے مابین کی کشمکش کا اظہار بنتے ہیں۔ان دو مصرعوں میں ثنویت اساس وہ تہذیب بھی اپنا اظہار کرتی

ہے جسے برصغیر کی آب و خاک نے جنم دیا ہے۔ شعر کے دو مصرعے اور بہ طور اکائی شعر کی سالمیت وہ عمل ہے جو بہ یک وقت بت پرستی و بت شکنی سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔ شعر اپنے مزاج میں سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا رویہ رکھتا ہے مگر اس طرح کہ قطرہ دریا کی نمائندگی کا فریضہ پوری طرح انجام دے سکے۔ یہی رویہ اسے ایمائیت و اشارت کے استعمال پر مجبور کرتے ہوئے اس کے استعاروں میں تعمیم پیدا کر دیتا ہے۔ ابہام اسی استعاراتی رویے کی دین ہے۔ استعاراتی زبان شعر میں روحِ واقعہ کو گرفت میں لینے سے پیدا ہوتی ہے جو نئے تناظر میں نئے معانی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ شعر کے مزاج کی خوبی یہ ہے کہ وہ دوراہے پر یک سوئی کا مظاہرہ کرتا ہے اور ثنویت کو وحدت میں ڈھالتا ہے۔ غرض یہ کہ شعر مشرقی شاعری کی ایک مختصر اکائی اپنے اندر خصائص کا ایک پورا جہان پوشیدہ رکھے ہوئے ہے۔ اس کی ترکیب میں کچھ ایسا طلسم مقید ہے جس کی مکمل تفہیم ناممکن ہے۔ یوں یہ دعویٰ بے جا نہیں کہ شعر کا جمالیاتی کیف اور تخلیقی سرشاری فی الوقت تنقید اور ترجمے کی گرفت میں نہیں آسکی۔

شعر کی ترکیب و بناوٹ پر روشنی ڈالنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ کیا شعر جیسے لطیف پیرائے اظہار کا ترجمہ ممکنہ ہے یا نہیں؟ اس سوال پر بحث سے قبل دیکھتے ہیں کہ ترجمہ کیا ہے؟ مختصراً اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ایک زبان کے متن کی دوسری زبان کے متن میں منتقلی ترجمہ ہے اور شعری ترجمہ کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ ایک زبان کے شعری متن کی دوسری زبان کے متن (شعری یا نثری) میں منتقل کرنا۔ ترجمہ ایک کار آمد عمل کی حیثیت رکھتا ہے جو ایک زبان کے اعلیٰ فن پاروں کو دوسری زبان میں منتقلی کا موجب بنتا ہے اور یہ تراجم ہی ہیں جس نے نثری ادب اور فکشن کی خدمت میں بڑا حصہ ڈالا ہے لیکن اس مقالے میں شعری ترجمہ کس حد تک امکان رکھتا ہے اس مدعا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دو مصرعوں پر مشتمل شعر کئی جہتوں پر مشتمل اکائی ہے جن کا دھیان رکھنا ترجمہ نگار کی ذمہ داری ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ شعری ترجمہ قطعاً امکان نہیں رکھتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ ترجمہ نگار سے بہت زیادہ محنت اور خاص شعری ذوق کا طلب گار ضرور ہے۔

ہمارے ہاں مغربی ادب و شعر کے اردو زبان میں یا ہماری مشرقی ادب و شعر کے مغربی زبانوں بالخصوص انگریزی زبان میں شعری تراجم دو مقاصد کے تحت کیے گئے ہیں۔

الف: سیاسی

ب: فنی / ادبی / تخلیقی

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ تراجم زیادہ تر سیاسی مقاصد کے تحت ہی کیے گئے۔ یہ مغرب کا ایک خاص رویہ ہے جس کے تحت انہوں نے Orientalism کی بازیافت کا بیڑا اٹھایا۔ فورٹ ولیم کالج سے این میری شمل تک جو بھی تراجم کیے گئے وہ ہر دو اعتبار سے سیاسی ضرورتوں کے تحت کیے گئے۔ West کا مشہور مقولہ ہے:

"We are Rational and East is Mystic"

اسی منشور کے تحت انہوں نے مشرق کو تسخیر کرنے کی ٹھانی اور مستشرقین نے یہاں کا ادب کھنگالنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ساٹھ اور ستر کی دہائی میں اردو میں روسی ادب کے جو تراجم کیے گئے ان کا مقصد بھی مارکسی فکر کا فروغ

تھا۔اور یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ اس نوعیت کے تراجم نے ادب کی کوئی خدمت نہیں کی۔نہ ہی ان کی بدولت کوئی نئے پیرایہء اظہار وجود میں آسکے نہ ہی ادبی میلانات ورجحانات میں تبدیلی آسکی۔

اس مختصر پس منظر کی روشنی میں اس قضیہ کو کس طرح حل کی جائے کہ کیا شعری ترجمہ امکان رکھتا ہے؟ سہیل احمد خان رقم طراز ہیں:

> ”جہاں تک شاعری کے ترجمے کا تعلق ہے اس سلسلے میں بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں کے بعض خوف زدہ کرنے والے اقوال ہیں۔ دانتے، سروانیتس، سیموئیل، جانسن اور وکٹر ہیوگو نے ترجمے کا بلخصوص شاعری کے ترجمے کو تقریباناممکن بتایاہے۔اس میں شک نہیں کہ شاعری کا جوہر زبان سے گہرے انداز میں وابستہ ہوتا ہے اور یہ بات آخری حقیقت کے طور پر قبول کی جاسکتی ہے"(1)۔

بیسویں صدی کے نام ور شاعر اور نقاد ایذراپاؤنڈ جس نے ٹی ایس ایلیٹ کی شہرہ آفاق نظم ”دی ویسٹ لینڈ“ کا مسودہ ترتیب دیا، ان کے مطابق شاعری کو ترجمہ کرنے کی غرض سے تین حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ فوناپوئیا (Phona poeia)

۲۔ میلوپوئیا (Melo Poeia)

۳۔ لوگوپوئیا (Logo poeia)

فوناپوئیا ایسی شاعری ہے جس کا ترجمہ ہو سکتا ہے۔ لیکن میلوپوئیا ایسی شاعری ہے جس کا ترجمہ ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔اور لوگوپائیا ایسی شاعری ہے جس کا من وعن ترجمہ تو نہیں کیا جاسکتا لیکن شاعر کے اصل خیال کی جھلک ترجمے میں کسی حد تک آسکتی ہے۔یعنی ایذراپاؤنڈ کی معتبر رائے کے مطابق مکمل حالت میں صرف فوناپوئیاٹائپ کی شاعری کا ترجمہ امکان رکھتاہے اور یہ شاعری کی سادہ اور اکہری اور عوامی صورت ہے۔ لیکن غالبؔ جیسے شاعر کی شاعری کا ترجمہ کس حد تک ممکنہ ہے جس کے ایک محتاط اندازے کے مطابق کم و بیش ۸۸ شرحیں لکھی جاچکی ہیں۔اور اب تک غالب کے گنجینہ ء معنی کا طلسم کسی شرح میں مکمل گرفت میں آنے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکا۔غالب کے تراجم کے ضمن میں پروفیسر جیلانی کامران کی یہ رائے قابل غور ہے:

> ”شعری ادب کے تراجم کے بارے میں اس خیال کو ملحوظ رکھنا کہ شعری متن کو مروجہ شعری صورت ہی فراہم کی جائے اس لیے ضروری ہے کہ مختلف لسانی گھرانوں کے عروضی نظام عموما مختلف ہوتے ہیں اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ غالب کی غزل کو انگریزی کی Heroic) (Couplet میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے تو یہ سوچنا مناسب ہے کہ محض سانچے کی مشابہت سے غالب کی غزل کا انگریزی ترجمہ حاصل نہیں ہو سکتا۔غالب کی صد سالہ تقریبات پر کلکتے اور نیو

یارک سے غالب کے ترجمے اسی اصول کے تحت کیے گئے تھے اور شائع بھی ہوئے تھے اور دونوں تراجم میں غالب کے ساتھ قطعا انصاف نہیں ہوا تھا انگریزی شعر کی روایت نے غالب کے مقام کو گرا دیا تھا"(2)۔

غالبؔ کے دیوان کی اولین غزل جس کے ہر شعر کی شرح کئی صفحات کو محیط ہوتی ہے کہ تین اشعار کا ترجمہ اپنے موٴقف کی وضاحت کے لیے یہاں بہ طور مثال درج کرنا ازبس لازم ہے یہ ترجمہ K,C,Kanda نے کیا ہے جن کے غالب اور فیض کے تراجم خاصے مقبول اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیء تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

Whose clever art has kindled their protest
Every image that we see is in paper robes dressed.

انگلش ترجمے سے راقم کا اخذ کردہ اردو ترجمہ:

کن کے چالاک فن نے ان کے احتجاج کو بھڑکایا
ہر تصویر جو ہم دیکھتے ہیں وہ کاغذ کے پوشاک میں ملبوس ہے

کاؤ کاوِ سخت جانی، ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

Turning lonesome night to day, is alas,a crippling task,
like the digging of milk canal through a rocky tract.

انگلش ترجمے سے راقم کا اخذ کردہ اردو ترجمہ:

تنہائی کی رات کو صبح میں بدلنا، افسوس، ایک معذور مہم ہے
جیسے دودھ کی نہر کسی چٹانی راستے سے نکالنا

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

Let reason spread its hearing net as far as it likes phoenix.
Like is my purport, Elusive and complex.

انگلش ترجمے سے راقم کا اخذ کردہ اردو ترجمہ:

چلیں سب کو اپنی سماعت کا جال بچھانے دیں کسی خیالی پرندے جتنا
جیسے میرا مدعا ہے، منفرد اور پیچیدہ"(3)

اس ترجمے کو پڑھ کر امریکہ کے ایک جدید شاعر رابرٹ فروسٹ Robert Frost کا مشہور مقولہ یاد آجاتا ہے:

"Poetry is what gets lost in translation,it is also what is lost in interpretation"(4).

ترجمہ: شاعری وہ شے ہے جو ترجمے میں حذف ہو جاتی ہے اور تشریح سے بھی۔ (راقم)

شعری تراجم کے سلسلے میں ہمارے ناقدین کی آراء بھی خاصی تشویش اور تفکر پر مبنی ہیں۔اس ضمن میں چند ایک کی آرا ملاحظہ ہوں۔ڈاکٹر عنوان چشتی شعری ترجمے کی ذیل میں لکھتے ہیں:

"بعض اوقات شاعری میں ایسے نازک مقام آجاتے ہیں جہاں اصل خیال سطور میں نہیں بل کہ بین السطور یاماورائے سطور ہوتا ہے۔کبھی کبھی الفاظ محض ایسے پلیٹ فارم کا کام کرتے ہیں جہاں سے معانی کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔شعری ترجموں کی انہی دقتوں کے پیش نظر انگریزی کے شاعروں نے کہا تھا کہ شاعری کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور اس دور کے نااہل مترجمین کے ناقص ترجموں نے متعارضین کی رائے پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔۔۔شاعری میں الفاظ، استعارات، پیکروں اور علامتوں کے مجازی اور تخلیقی معنی ہوتے ہیں۔ اس لیے محض لغوی معنی لکھنے سے شاعر کے اصل خیال کی عکاسی نہیں ہو سکتی۔۔۔ شعری تراجم میں حذف و اضافہ کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں جو ابلاغ کی کمی، کبھی بد نیتی اور کبھی محض تن آسانی سے رونما ہوتے ہیں"(5)۔

شان الحق حقی نے لکھا ہے:

"نثر کو نثر میں ڈھال دینا وہ سائل پیدا نہیں کرتا جو نظم کو ترجمہ کرنے کی صورت میں پیش آتے ہیں نظم کو نثر بنا دینے سے اس کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور تاثیر گم ہو جاتی ہے نظم بے تاثیر ہو تو قبیح کہلائے گی اور ادبی قدر و قیمت کھو بیٹھے گی پھر بھی نظم کا ترجمہ نظم میں اگر دشوار ہے تو نظم کا ترجمہ نثر میں میرے نزدیک محلات سے ہے کہ وہ جنس ہی اور ہو جاتی ہے افادیت ہو تو ہو ادبیت باقی نہیں رہتی"(6)۔

ممتاز حسین کے مطابق:

”شعر کا ترجمہ صرف ایک شاعر ہی کر سکتا ہے وہ بھی اس وقت جب کہ وہ اصل خیال کو اپنے احساسات سے گزارے اور یہ طریقہ کار تقریباً نیم تخلیقی ہو جاتا ہے کیونکہ احساسات داخلی ہوتے ہیں اور تمام وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ دوسرے کے جسد میں منتقل نہیں ہو سکتے دوسرے کے احساسات پر اتنا قابو حاصل نہیں کیا جاسکتا جتنا ان کے خیالات پر۔ اس حسن و خوبی کے ساتھ فارسی کے بہت سے اشعار کا ترجمہ اردو میں ہوا ہے یہ خوبی انگریزی نظموں کے تراجم میں بہت کم نظر آتی ہے شاید اسی لیے کہ انگریزی کے برعکس اردو اور فارسی میں نہ صرف بہت سے الفاظ بل کہ بحریں بھی مشترک ہیں"(7)۔

ممتاز حسین کی رائے بہت حد تک درست ہے کہ ترجمہ کی زبانوں میں جس قدر لسانی اور ثقافتی بُعد ہو گا ترجمہ اتنا ہی دشوار ہوتا ہے۔ دراصل تراجم کے ذریعے ادب و شعر کا تبادلہ سب سے زیادہ بہتر طور پر قریب قریب کی زبانوں کے مابین ہو سکتا ہے جو آپس میں ہم رشتہ ہیں جیسے عربی، فارسی، اردو اور ہندی وغیرہ۔ یعنی وہ زبانیں جن میں مشترکات و مماثلات کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوں۔ اس کے بر خلاف انگریزی اور مغربی زبانوں میں اور ہماری زبانوں میں بہت افتراقات پائے جاتے ہیں۔ صوتیات اور عروضی نظام الگ ہیں ان دشواریوں کی بنا پر ترجمے کا ایسا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے جس میں اس بُعد اور افتراق کو کم از کم کرنے کی شعوری کوشش کی جائے۔ ترجمے کی غایت علمی ہو یا ادبی اسے گمراہ کن نہیں ہونا چاہیے یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ ترجمہ اصل سے مطابقت پر مبنی ہو ورنہ یہ محض علمی بد دیانتی ہو گی ادبی خدمت نہیں۔

آخر میں شمس الرحمن فاروقی کی رائے درج ہے جو دیگر ناقدین کے مقابل زیادہ معتبر اور متذکرہ بحث کے قریب ترین قرار دی جاسکتی ہے۔ ان کے بہ موجب:

"جب ہم شاعری کا ترجمہ کرتے ہیں تو وزن و بحر، شعر کی ظاہری ہیئت قافیہ، مختلف طرح کے بصری علامیے، روزمرہ اور محاورہ کے وہ حصے جو اصل زبان کے باہر بے معنی ہو جاتے ہیں، الفاظ کی شکل و بافت، ہمیں ان سب کو پہلے قربان کر دینا پڑتا ہے۔ ان میں سے کچھ قربانیاں لائقِ برداشت تو ہوتی ہیں لیکن چوں کہ مندرجہ بالا تمام کی تمام چیزیں شعر کے معنی کا حصہ ہوتی ہیں، اس لیے ہم جس حد تک انھیں ترک کرنے پر مجبور ہوں گے، اس حد تک ہم اس شعر کے اندر موجود شاعری کو بھی ترک کرنے پر مجبور ہوں گے"(8)۔

الغرض شعر کا ترجمہ بہت نازک مرحلہ ہے جو مترجم پر بہت سی ذمہ داری عائد کرتا ہے جن کا پاس رکھنا از بس لازم ہے۔ ہر شاعر موضوع اور مواد کو اپنے طور پر برتنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے اس کی تخلیق کے الفاظ، تراکیب، محاورات، استعاروں، پیکروں، علامتوں اور اساطیر وغیرہ کو اس کے فکر و فن کی روشنی میں سمجھنا مترجم کی اولین ذمہ داری ہے۔ دوسرا منصب لکھاری کے عہد کا شعور ہے۔ ہر تخلیق خواہ کتنی ہی ذاتی و انفرادی کیوں نہ ہو اپنے عہد کے معاشی، تہذیبی، سیاسی، ادبی، تعلیمی اور فنی عمل سے وابستہ ہوتی ہے اور اس سے نمو پاتی ہے۔ اس میں روح عصر یا تاریخیت

کسی نہ کسی حد تک جلوہ گر ہوتی ہے۔اس لیے لکھاری کی شخصیت کے ساتھ اس کے عہد کی روایات، تحریکات، اقدار اور سماجی، مذہبی اور ثقافتی پس منظر سے آگاہی از حد ضروری ہے۔ مترجم کے لیے ان مسائل کے علاوہ زیادہ پریشان کن مسائل شاعر و ادیب کے کسی نازک اور نادر خیال، نیم محسوس حقیقت، خام خیال آرائی، ذاتی اور اچھوتے تجربے، دور رس افکار اور وجدانی کیفیتوں کی سمجھ اور پھر ابلاغ و ترسیل تک کے مراحل ہیں۔ اعلیٰ ترجمے وہ قرار دیئے جاسکتے ہیں جو شاعر کے خیال یا جذبے کو من و عن پیش کرتے ہیں اس میں علامتوں اور استعاروں اور پیکروں کے نظام کو بہ طور خاص اہم گردانا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بلیغ اشاروں، حکیمانہ اشاروں، فلسفیانہ خیالات، جذبے کی رو اور تاثر کو پوری سچائی اور شدت کے ساتھ ترجمے میں سمویا جائے۔ اس میں بنیادی خیال جذبہ یا فکر کے ساتھ، زبان، تکنیک اور اسلوب کو بھی مد نظر رکھا جائے گویا ترجمے میں شعری فن کے وجدانی اور ظاہری عناصر کے خوب صورت امتزاج کو کلیتاً مد نظر رکھا جائے اور اس کی پیش کش کی تمام ممکنہ صورتوں سے استفادہ کیا جائے۔

مشرق و مغرب ہر دو جگہ شعری ترجمہ کا بنیادی محرک، شعری خیال، موضوع، فلسفہ اور کیفیت ہوتا ہے۔ یہ شعر کی مکمل صورت اور حالت کے برعکس اس کی اکہری صورت اور حالت ہے یوں مکمل شعر کا ترجمہ تو مترجم کا مقصد و منتہا ہی نہیں ہوتا۔ لہذا ترجمہ کی شکل میں انتقال بھی صرف خیال، فکر، موضوع، فلسفہ یا کیفیت ہی کو ہو پاتا ہے۔ لیکن شعر کی دوسری صورت ہیئت؟ اسلوب؟ تکنیک؟ بنت؟ شعری محسنات؟ یہ سب منتقل ہونے سے رہ جاتے ہیں اور اگر کسی حد تک ہو بھی پائیں تب بھی شعر کا اصل طلسم اس کا جمالیاتی کیف Mystery گرفت میں نہیں آپاتی۔ یوں شعری ترجمہ اس کمی اور خلا کی بھرپائی نہیں کر سکتا۔ البتہ اس تمام بحث کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ شعر کا ترجمہ حتی الوسع امکان نہیں رکھتا بل کہ یہ مترجم سے انتہائی سنجیدگی اور محنت کا طالب ضرور ہے۔ اختتام پر ہم اب تک کے شعری تراجم کے سفر کو مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے اس شعر کے مصداق قرار دینے پر عاجز ہیں:

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

حوالہ جات

(1) سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،2009،ص133۔

(2) جیلانی کامران،پروفیسر، شعری ادب کے تراجم کے مسائل اور مشکلات،مشمولہ،اردو زبان میں ترجمے کے مسائل(روداد سیمینار)،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،مارچ1986،ص226۔

(3) Mirza Ghalib, Selected lyrics and Letters. K,C ,Kanda. 2004 New Down Press INC. USA.UK.INDIA

(4) عنوان چشتی، ڈاکٹر، منظوم ترجمے کا عمل،مشمولہ،،فن ترجمہ کاری ۔مباحث، اسلام آباد، پورب اکادمی،2015ؤ ص266۔267۔

(5)شان الحق حقی،ادبی تراجم کے مسائل، مشمولہ، فن ترجمہ کاری۔مباحث،ص157۔256۔

(6)،ایضا، ص157۔256۔

(7) ممتاز حسین، ترجمے کے چند پہلو(مذاکرہ)،مشمولہ،ترجمہ : روایت اور فن، اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،ستمبر 1975،ص۱۳۷۔

(8) شمس الرحمن فاروقی، تعبیر کی شرح، کراچی۔اکادمی بازیافت،2004،ص140۔